مستشرقین اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ

زیبا افتخار ☆

اہل علم، اصحاب تقویٰ و ورع اور یگانہ روزگار شخصیات بلاشبہ اس اعزاز کی مستحق ہوتی ہیں کہ ان کے اخلاف، ان کی علمی، تحقیقی، اصلاحی نقوش کو منظم اور مرتب کر کے آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی ایسی ہی یگانہ روزگار شخصیات میں شامل ہیں کہ جن کا کثیر الجہتی علم، فہم و فراست اور بالخصوص ان کی زبان دانی کا زمانہ ایک عرصے تک معترف رہے گا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق حیدر آباد دکن کے ایک نہایت علمی گھرانے سے تھا۔ جس دور میں آپ کی ولادت ہوئی (۱۹ فروری ۱۹۰۸ء) وہ برصغیر پر انگریزوں کے مکمل تسلط کا دور تھا۔ عملاً نصف صدی قبل مغل حکمرانوں کا زوال ہو چکا تھا اور یہ تمام کا تمام عہد مسلمانوں کے لئے شدید ذہنی اور جسمانی اذیت کا دور تھا، البتہ ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ جب حمید اللہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہو چکی تھی، دو سال قبل ہی (۱۹۰۶ء) مسلم لیگ کا قیام عمل میں آچکا تھا اور آزادی کی جدوجہد کو ایک سیاسی پلیٹ فارم مل چکا تھا، آزادی کی جنگ ہر میدان میں لڑی گئی اور یہی وقت کی اہم ضرورت بھی تھی۔

علمی میدان میں سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، جسٹس امیر علی، سید سلیمان ندوی جیسی قد آور شخصیات سامنے آئیں جنھوں نے اپنے قلم سے بھرپور کام لیا، ڈاکٹر حمید اللہ بھی اسی میدان کے شہسوار نکلے چنانچہ علم کے حصول میں منہمک ہو گئے تعلیم کے حصول اور علم کی تلاش میں ملک ملک پھرے۔[۱] ۱۹۳۵ میں وطن واپس آئے تو ڈی۔فل اور ڈی۔لٹ جیسی اعلیٰ اسناد حاصل کر چکے تھے۔ واپس آکر جامعہ عثمانیہ میں، جو آپ کی مادر علمی بھی تھی، تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اور ساتھ ہی تصانیف اور تراجم کا کام باقاعدگی سے جاری رکھا۔ آپ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۸ء تک وابستہ رہے، اس دوران آزادی کی تحریک کا نتیجہ پاکستان اور ہندوستان کی صورت میں سامنے آچکا تھا البتہ آپ کی آبائی ریاست حیدر آباد دکن ابھی بھی اپنی پرانی حیثیت پر قائم تھی۔ حیدر آباد دکن نے آزاد حیثیت میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا جسے آگے چل کر بھارتی جارحیت نے ناکام بنا دیا۔ حیدر آباد دکن کی

☆ ڈاکٹر زیبا افتخار، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آزادی اور حفاظت کے لئے اس وقت جو کوششیں ہوئیں ان میں ایک بڑا قدم یہ تھا کہ حیدر آباد دکن کا ایک وفد بھارت کی جارحیت کے خلاف اپنا مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش کرنے نکلا۔اس وفد میں جامعہ عثمانیہ کے دو پروفیسر بھی شامل تھے ایک ڈاکٹر حمید اللہ اور دوسرے ڈاکٹر یوسف حسین خان، نواب معین نواز جنگ اس وفد کے قائد تھے [2] ابھی یہ وفد سلامتی کونسل تک رسائی حاصل بھی نہ کر پایا تھا کہ بھارت نے حیدر آباد دکن پر حملہ کر دیا اور صرف تین دن کی فوجی کاروائی میں پورے دکن پر قبضہ کرلیا، یہ صدمہ ڈاکٹر حمید اللہ کے حساس دل کے لئے بہت بڑا تھا، آپ کی غیرت نے ایک غلام ملک میں واپس آنا پسند نہ کیا اور وہیں پیرس میں ٹھہر گئے ۔ ان کا موقف تھا کہ ''میں دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آیا تھا پھر میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔'' [3]

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ایک خالص علمی اور تحقیقی رجحان رکھتی تھی، اس شدید ذہنی وجذباتی صدمے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو پوری دلجمعی کے ساتھ علم وتحقیق اور دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ زمانہ طالب علمی میں فرانس میں مقیم رہے تھے، ۱۲ سال بعد پھر وہیں واپس پہنچے ۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا یہی وہ دور تھا کہ جب آپ نے اپنے قلم کو تلوار بنالیا اور مستشرقین کے درمیاں رہتے ہوئے، انہی کی جانب سے کھولے گئے علمی محاذ پر جہاد کرنے کا اصولی فیصلہ کرلیا۔ علمی دنیا میں ڈاکٹر صاحب کو ایک ایسا امتیاز حاصل تھا جس سے ان کے بیشتر ہم عصر محروم تھے وہ امتیاز آپ کی زباں دانی تھا، آپ بیک وقت نو زبانوں پر دسترس رکھتے تھے، اس زبان دانی کا جو راست فائدہ ان کو پہنچا وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب مستشرقین کی زبانوں میں، انہی کے رسالوں میں، ان کی طرف سے اٹھائے گئے سوالوں، اور شبہات کا جواب دینے کے قابل ہو گئے ۔ دوسرا فائدہ قاری حضرات کو پہنچا جو اپنی ہی زبان میں اسلامی نقطہ نظر پڑھنے کے قابل ہو گئے اور تصویر کے دونوں رخ سے کماحقہ آگاہ ہو گئے ۔ اس میدان میں ڈاکٹر صاحب کی خدمات کثیر اور قابل تحسین ہیں ۔ انہیں بیان کرنے سے قبل بہتر ہوگا کہ تحریک استشراق پر ایک مختصر سی نظر ڈال لی جائے ۔

Orientalism انگریزی لفظ ''*Orient*'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ''مشرق'' کے ہیں اور *Orientalism* کے معنی مشرقی علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔ عربی میں اس کے مترادف لفظ ''استشراق'' استعمال کیا جاتا ہے، جو عربی مادہ ''شرق'' سے مشتق ہے اور جس کے معنی ''شرق شناسی'' کے ہیں ۔ اس اصطلاح کا استعمال زیادہ قدیم نہیں، لہذا قدیم عربی لغات میں استشراق کا مادہ مذکور نہیں ۔ یہ اصطلاح انگریزی لفظ اورینٹل ازم کے مفہوم کو عربی میں ادا کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے ۔ [4] جدید ماہرین لغات نے استشراق کے معنی ''مشرقی علوم'' اور مستشرق کے معنی ''مشرقی آداب سے آگاہ'' یا'' مشرقی علوم کے ماہر'' بیان کئے ہیں ۔ [5] اس اصطلاح کے لغوی مفہوم اور دور حاضر میں اس کے بکثرت استعمال کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل مغرب کا، مشرق کے تہذیبی ورثے، تاریخ، زبان وادب، فنون لطیفہ کا مطالعہ استشراق کہلاتا ہے اور مستشرق ایسے مغربی مفکر کو کہتے ہیں جو ان علوم میں نہ صرف دلچسپی رکھتا ہو بلکہ اس پر کام بھی کر رہا ہو۔ تاہم استشراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جب مستشرقین حضرات نے السنہ شرقیہ (مشرقی زبانوں) اور اسلامی علوم وآداب کے یکطرفہ مطالعے تک خود کو محدود نہ رکھا بلکہ دو قدم آگے بڑھ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد کا کھلا مظاہرہ کیا۔ پہلے پہل یہ عناد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مشنری جذباتیت کے زیراثر رہا، لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ان مقاصد میں اولین مقصد اسلام اور مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر اسلام کے رد کے لئے مناسب دلائل فراہم کرنا تھا ، جبکہ دوسرا بڑا مقصد مشنری سرگرمیوں کی توسیع اور ترقی تھا۔ ۶ آگے چل کر استشراق نے باقاعدہ ایک تحریک اور مستقل رویئے کی شکل اختیار کر لی۔

تحریک استشراق کو اگر خلاف اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو امر واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا جس نے آنے والی صدیوں میں باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ سب سے پہلے جس شخص نے اسلام کے خلاف اس معاندانہ رویئے کا آغاز کیا وہ ساتویں صدی عیسوی کا ایک پادری ''جان'' تھا۔ جو'' جان آف دمشقی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ۷ جان دمشقی نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر براہ راست حملے کئے ، اسلام کو وحشی (Pagan) مذہب، خانہ کعبہ کو بت قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کو رومانوی افسانوی رنگ دیا۔ اس کی کتاب De Haere Sibus اسی قسم کی خرافات کا مجموعہ ہے۔ ۸ آٹھویں صدی عیسوی میں جان کے پیروؤں نے ان ہی بنیادوں پر اسلام دشمن لٹریچر کا انبار لگا دیا۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے مستشرقین نے مشرقی زبانوں خصوصاً عربی زبان وادب پر عبور حاصل کیا اور اسلامی علوم کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تاکہ اسلام کے کمزور پہلوؤں کو تلاش کر کے اس کی تنقیص کی جائے۔ یہ مقاصد سولھویں صدی عیسوی تک متعین ہو چکے تھے۔ ۹ فرانس اس کا سب سے بڑا گڑھ تھا، گیام پوسٹل ایک فرانسیسی ہی تھا جس نے اس تحریک کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور لغت ولسانیات کے حوالے سے بہت کام کیا۔ اسی لئے گیام پوسٹل کو مستشرقین یورپ کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔ ۱۰

ڈاکٹر نثار احمد، انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول یعنی ۱۸۰۱ء تا ۱۹۲۵ء تک کے زمانے کو تحریک استشراق کا عروج قرار دیتے ہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ یہ دور اسلام کا دور زوال جبکہ مغرب کا دور عروج ہے، مغرب نے نہ صرف عسکری میدان میں بلکہ علمی میدان میں بھی فتح حاصل کی اور اس بڑے پیمانے پر مستشرقین کی خرافات سے بھرپور کتابیں سامنے آئیں جو ایک مثال ہے اور ان کا معیار تحقیق واستدلال پر کمال، حقیقتاً باعث حیرت ہے۔ ۱۱ پھر یہی وہ دور تھا جب مستشرقین نے باقاعدہ تحقیقی ادارے قائم کئے مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس (۱۸۲۳ء)، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ (۱۸۲۳) اور امریکن اورینٹل سوسائٹی (۱۸۴۲) وغیرہ۔ ان سوسائٹیز نے نہ صرف اپنے جرائد نکالے بلکہ دوسرے رسائل اور جرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ۱۲ بظاہر ان جرائد کی اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی تحقیقات سے دوسروں کو روشناس کرا سکیں لیکن بباطن مدعا اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا اس دور میں انہوں نے عالمی کانگریس قائم کی غرض یہ دوران کی تحریک کا نقطہ کمال ثابت ہوا۔ ۱۳

تحریک استشراق کے ردعمل میں جو رویہ مسلمانوں کی طرف سے سامنے آنا چاہئے تھا افسوس کہ ایسا کوئی رویہ سامنے نہ آسکا اور نہ ہی اس تحریک کے مقابلے میں کوئی تحریک مسلم ممالک میں اٹھ سکی، ترکی، مصر اور ایران میں جس قدر کام ہونا چاہئے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تھا، نہ ہوا۔ انفرادی کوششیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکیں۔ عرب ممالک نے بھی اسی کوتاہی کا مظاہرہ کیا صرف ہندوستان وہ ملک ہے جہاں کمیت، کیفیت، جوہر اور قدر و قیمت کے لحاظ سے سب سے زیادہ کام ہوا۔ سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، جسٹس امیر علی، سید سلیمان ندوی وغیرہ جیسی شخصیات سامنے آئیں تو ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین جیسے اداروں نے مستشرقین کے رد کے لئے بھرپور کام کیا۔ ان علماء کے بعد ردعمل کی اس کی تحریک کو ڈاکٹر حمید اللہ نے آگے بڑھایا اور ایسا وقیع کام کیا کہ مستشرقین کی طرف سے پھیلائی گئی تمام گمراہ کن باتیں بے حقیقت ہو کر رہ گئیں۔

استشراق سے نمٹنے کی صلاحیت ڈاکٹر حمید اللہ میں بدرجہ اتم تھی۔ وہ ان ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ جن کی ایسی نظریاتی جنگوں میں ضرورت پڑسکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا کہ اس میں سے ایک ہتھیار ان کی زبان دانی تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مشرق اور مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ جن میں اردو، عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی، ترکی اور اطالوی زبانیں شامل ہیں۔[۱۴] مطالعہ اور گفتگو کی اعلیٰ استعداد نے مغربی مستشرقین کی کسی بھی تحریر تک ان کی دسترس کو آسان بنا دیا تھا اور وہ کبھی اس حوالے سے عاجز نہیں ہوئے، وہ نام نہاد مغربی علماء، محققین اور کینہ پرور مستشرقین سے ان ہی کی زبان میں بات کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ایک انفرادیت ڈاکٹر حمید اللہ کو اور بھی حاصل تھی کہ انہوں نے علم کے کسی ایک میدان پر تخصص حاصل نہ کیا بلکہ سیرت نگاری، قانون بین الممالک، تاریخ تدوین حدیث اور تاریخ تدوین فقہ غرض یہ کہ تاریخ اسلام کے کم وبیش تمام موضوعات کا احاطہ کیا وہ بنیادی طور پر ایک مورخ اور قانون دان تھے[۱۵] لہٰذا اسلامی تاریخ اور قانون کے حوالے سے نہ صرف یہ کہ وہ ایک نیا رجحان بنانے میں کامیاب ہوئے بلکہ اسے علمی دنیا اور بطور خاص مستشرقین سے منوایا بھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھیں ہندوستان (جو ان کی جائے پیدائش ہے) میں اتنے لوگ نہیں جانتے جتنے کہ یورپ میں جانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں رویئے اور طریق تحقیق میں تھوڑا فرق ضرور رکھتے تھے، ان کا رویہ جارحانہ یا مخاصمانہ نہیں بلکہ خالصتاً علمی و تحقیقی تھا۔ نیز وہ مغربی علماء کا نام لے کر ان کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اسلام کے خلاف جو نکتہ سامنے آتا، یا جو اعتراض اٹھایا جاتا تھا، یا جو غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی ڈاکٹر صاحب اس کا بڑا علمی و تحقیقی جواب ان علماء کو فراہم کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے حوالے سے ہمیں کوئی محاذ آرائی نظر نہیں آتی۔ وہ خود کہتے ہیں کہ "میرا اصول رہا ہے کہ کسی پر اعتراض نہ کروں، واقعات کو اس طرح پیش کروں کہ لوگ اپنے ممکنہ اعتراض کا جواب خود ہی پالیں......"[۱۶]

اگر دیکھا جائے تو مستشرقین نے سب سے زیادہ بے سروپا باتیں قرآن کے حوالے سے کی تھیں۔ اس کی وجہ سے اہل مغرب قرآن کی حقانیت کے بارے میں مشکوک تھے۔ ان کے ذہن صاف نہیں تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ان خرافات کا جواب دینے کا بہترین حل یہ سوچا کہ قرآن مجید کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کردیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فرانسیسی، جرمن اور انگریزی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کردیا (جرمن زبان میں صرف چھ پارے کا ترجمہ کرسکے تھے) اس سے قبل قرآن کے فرانسیسی زبان میں چند تراجم ہوئے تھے جو مغربی علماء نے کیے تھے۔ یہ تراجم ناقص بھی تھے اور نامکمل بھی، حمید اللہ صاحب نے جو قرآن مجید کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا، اس میں ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک پُرمغز مقدمہ بھی لکھا جس میں تمام اہم مباحث کو سمیٹ لیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گیا۔ مثلاً قرآن کا مولف، الہام ربانی کا مفہوم، مختلف ملتوں میں نزول وحی کی کیفیت، قرآن وحدیث کا فرق، قرآن کا اسلوب بیان، مندرجات قرآن، قرآن مجید میں یہودیوں سے زیادہ خطاب کیوں ہے؟ قرآنی تصور حیات اور اقسام احکام، عورت کا ذکر قرآن میں، غلامی اور قرآن، سیرت نبویہ ﷺ قرآن کی روشنی میں، تدوین قرآن مجید کی تاریخ، ترتیب آیات وسورہ، عربی خط اور اعراب اور دیگر علامات تحریری، قرآن کے نسل بہ نسل تحفظ کا دوہرا طریقہ یعنی تحریر اور حفظ، صحت متن کے لئے استاد سے سماع اور اجازت، اختلافات روایات، مسئلہ تنسیخ وتبدیل، تجوید وتلاوت، تراجم القرآنی جس کا آغاز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا۔ تاریخ مسلم مترجمین اور غیر مسلم مترجمین، ایک نئے فرانسیسی ترجمے کی ضرورت اور یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کی مکمل فہرست وغیرہ۔ ۱۷ اس طرح قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے کے ساتھ ساتھ ان کے پر مغز مقدمے نے قرآن کے حوالے سے مغربی اذہان میں اٹھ سکنے والے تقریباً تمام سوالات کے جوابات فراہم کر دیئے۔ اس فرانسیسی ترجمہ قرآن کو صرف فرانس میں ہی پذیرائی نہیں ملی بلکہ یورپ، امریکہ، افریقہ، اور دیگر ممالک میں جہاں فرانسیسی زبان بولنے والے موجود تھے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اب تک اس ترجمہ کے ۲۰ ایڈیشن شائع کئے جا چکے ہیں۔ گذشتہ ایڈیشن کی تعداد ۲۰ لاکھ تھی۔ ۱۸

آپ نے قرآن کے حوالے سے مستشرقین کی بعض باتوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے مثلاً ایک فرانسیسی مستشرق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کا یہ موقف کہ بحیرا راہب نے سارے کا سارا قرآن مجید، محمد عربی ﷺ کو لکھوا دیا تھا۔ کتنا تصوراتی اور خیالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "It is amusing to see the flight of imagination of the French Orientalist Carra de Veaux who has written a whole book on "Bahira the author of the Quran", can a boy of nine years learn by heart in a few minutes the 114 chapters of the Quran, and a generation later communicate them to his people as "Divine Message..?" ۱۹

ڈاکٹر حمید اللہ مدرسے کے فارغ تحصیل عالم نہ تھے نہ ہی ہم انھیں روایتی مولوی کہہ سکتے ہیں اس کے باوجود آپ مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہر کے تریاق کے لئے پیرس کی جامع مسجد میں ہر اتوار کو قرآن کریم اور اسلام پر درس دیتے تھے۔ ۲۰

حدیث کے بارے میں بھی مستشرقین کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے ڈاکٹر حمید اللہ واقف تھے۔ جب وہ ہندوستان میں تھے تب بھی ان خرافات کے خلاف ہندوستانی علماء نے زبردست علمی جواب دیا تھا۔ خود آپ کے استاد محترم مناظر احسن گیلانی نے ایک ضخیم کتاب تدوین حدیث لکھی تھی۔ جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ کتابت احادیث، عہد نبوی ﷺ ہی میں شروع ہو چکی تھیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو یہ جہت علمی اپنے استاد سے ملی اور انہوں نے اپنی مخصوص علمی سرگرمیوں، ذوق وشوق اور منفرد سوچ کے ساتھ اس اسلوب تحقیق کو آگے بڑھایا۔ پہلے نولدیکی (NOLDEKE) نے صحت حدیث پر شبہ کا اظہار کیا۔ اس بات کو گولڈ زیہر نے انکار حدیث کی حد تک پہنچا دیا۔ اور صرف مستشرقین ہی نہیں بلکہ ان کے زیر اثر بعض مسلمان مورخین مثلاً محمود ابو الریہ اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

احمد امین المصری وغیرہ نے بھی مجموعہ احادیث کو اس بنیاد پر غیر معتبر قرار دیا کہ احادیث کے مجموعے تیسری صدی ہجری میں مرتب کئے گئے لہٰذا ان کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے مستشرقین کی طرف سے لگائے جانے والے اس اعتراض کا علمی جواب دینے کا فیصلہ کیا اور پوری تحقیق سے ثابت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خود رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں حدیث کی تحریر وتسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے مجموعہ الوثائق السیاسۃ میں عہد نبوی کی ۳۸۹ تحریریں اکٹھی کر کے ثابت کردیا کہ احادیث کی کتابت عہد نبوی ﷺ میں بھی وسیع پیمانے پر ہوتی رہی ہے۔ صحابہ اور تابعین کے ادوار میں اس میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ حدیث کے جتنے بھی "صحیح" مجموعے ہیں وہ سند متصل رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۳ء میں صحیح بخاری کے ماخذ پر کام شروع کیا اور ابتدائی طور پر انہوں نے معلوم کیا کہ صحیح بخاری کا ایک اہم ماخذ مصنف عبدالرزاق ہے جس کا مجموعہ حدیث پہلے جمع ہو چکا تھا۔ تاہم شائع نہ ہو سکا تھا۔ جو بہرحال اب شائع ہو چکا ہے۔ اور **مصنف عبدالرزاق** کے نام سے ہر جگہ ملتا ہے۔ [۲۱]

امام عبدالرزاق کے ماخذ میں **معمر** بن راشد کا نام آتا ہے ان کا مجموعہ احادیث بھی اس وقت تک شائع نہیں ہوا تھا۔ تاہم اب چھپ چکا ہے اور **جامع معمر** کے نام سے ملتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو ان مجموعہ ہائے احادیث کے توسط سے تابعین تک علم الحدیث کی سند مل گئی۔ پھر معمر بن راشد کے دو ماخذ تھے۔ ایک عبداللہ بن عمرو بن العاص جنہوں نے رسول اللہ کے زمانے میں ہی ۵۰۰ احادیث جمع کر لی تھیں۔ جو **صحیفہ صادقہ** کے نام سے مشہور ہے۔ معمر بن راشد کا دوسرا ماخذ ہمام بن منبہ تھے جو حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہزار ہا احادیث عہد رسالت میں لکھ لی تھیں جس کا ایک بڑا حصہ ہمام بن منبہ نے حاصل کر کے مرتب کر لیا تھا۔ جب ڈاکٹر حمید اللہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ دریافت کر کے اسے ایڈٹ کیا تو گویا انہوں نے ثابت کردیا کہ عہد رسالت میں جو احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کر کے لکھ لی تھیں، وہ معمر بن راشد تک پہنچیں۔ ان سے یہ ذخیرہ حدیث عبدالرزاق کو منتقل ہوا۔ اور وہاں سے یہ ذخیرہ احادیث امام بخاری کو منتقل ہوا۔ اس شاندار دریافت کے بعد اب کوئی مستشرق یہ بے تکی بات نہیں کرسکتا کہ چونکہ علم الحدیث کو دو سو سال کے بعد مرتب کیا گیا لہٰذا مشکوک ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ ایڈٹ کرنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ نے بغرض اشاعت اسے دمشق بھیجا، یہاں کی عربی اکیڈمی نے اپنے موقر سہ ماہی رسالے **مجلۃ المجمع العلمی العربی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء** کے چاروں شماروں میں اسے بالاقساط شائع کیا اور پھر بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کے بعد اسی کتاب کے متعدد عربی ایڈیشن طبع ہوئے پہلا اردو ترجمہ [۲۲] حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اس کے بعد اس کتاب کے ترکی، فرانسیسی اور انگریزی میں بھی تراجم ہوئے۔ اس قدیم ترین مجموعہ احادیث کی دریافت، نیز تحقیق وتخریج سے ڈاکٹر حمید اللہ نے مستشرقین اور منکرین حدیث کے معاندانہ اعتراضات کا بڑا شافی جواب دیا ہے۔

تدوین حدیث ہی کے ضمن میں ڈاکٹر حمید اللہ کا دوسرا اہم کام ابوالخیر احمد بن اسماعیل القزوینی (م ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء) کی تالیف **کتاب السرد والفرد فی صحائف الاخبار و نسخها المنقولة من سید المرسلین** کی دریافت ہے۔ اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کتاب میں امام قزوینی نے ۴۳۶ روایات پر مشتمل گیارہ صحائف اکٹھے کئے ہیں۔ جو دراصل عہد صحابہ کے قدیم ترین مجموعہ ہائے حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی ایک اور گراں قدر علمی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے سنن سعید بن منصور کا مخطوطہ تلاش کیا اور اسے بغرض تحقیق مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو عنایت کر دیا اور بوقت طبع اس پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر کیا، یہ طویل مقدمہ آپ کے تبحر علمی اور حدیث نبوی کی حفاظت کے لئے کردہ کاوشوں کا بین ثبوت ہے۔[۲۳]

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اسلام کے مآخذ یعنی قرآن وسنت پر مستشرقین نے بڑی توجہ مرکوز رکھی۔ یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر و مآخذ کا اعتبار ختم کیا جائے اور مسلمان اذہان وقلوب میں شک وشبہ کے بیج بو دیئے جائیں۔ اس ضمن میں قرآن، حدیث، اور دیگر مصادر سیرت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا، قرآن کے متن اور نزول ترتیب کو زیر بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن، سیرت رسول ﷺ کا مستند ذریعہ معلومات نہیں۔ اسی طرح حدیث کے سلسلہ میں انکار کے لئے حدیث کے کذب وافترا اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ بس ایک پکے مفاد پرست، سیاسی رہنما تھے اور مذہبی خلوص وسچائی ان میں بہت کم تھی۔ لامنس (Lammens)[۲۴] جس کی اسلام دشمنی معروف ہے۔ ظہور اسلام کو ایک ''بدقسمت تاریخی واقعہ'' قرار دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ''تاریخی مسئلہ'' تھے۔[۲۵]

تحریک استشراق کے عہد جدید (یعنی حالیہ عہد) میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ بعض مستشرقین نے سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ طبی اور مرضیاتی (Pathological) نقطہ نظر سے کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ رسول اللہ ﷺ نفسیاتی اور دماغی امراض کا (نعوذ باللہ) شکار تھے۔ انہیں مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ سب سے پہلے اسپرنگر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ (نعوذ باللہ) رسول اکرم ﷺ کا اعصابی نظام (Nervous System) چونکہ کمزور تھا اور آپ ﷺ ہذیان اور اضطراب اعصابی کے مریض تھے اس لئے ان کے لائے ہوئے دین اور ان کی سیرت میں اس کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔[۲۶]

طبی اور مرضیاتی نقطہ نظر کو مزید تقویت مطالعہ سیرت میں علم النفس کے اصول کے اطلاق سے ملی اس کے تحت اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کی نفسیاتی تحلیل کی کوشش کی گئی اور اس معاملے میں فرانز بُہل (Frants Buhl) اور طور اینڈرے (Tor Andrae) نے سبقت دکھائی۔ ہالینڈ کے بُہل کو اس بات میں کوئی شبہ نظر نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اندرونی ''کوہ اعتقاد'' کے اچانک پھٹ پڑنے کا ایسا تجربہ حاصل ہوا کہ وہ ''کلمۃ اللہ'' کے (نعوذ باللہ) مدعی بن گئے۔ بُہل اپنی بے باکی میں یہاں تک لکھتا ہے کہ ''اپنے غیر معمولی جذباتی اعصابی نظام کے سبب ہی (رسول اللہ ﷺ) نے خود کو دھوکہ اور مغالطہ میں رکھا۔'' وہ مرگی کے بجائے رسول اللہ ﷺ کو ہذیان (Hysteric) کا مریض سمجھتا ہے (نعوذ باللہ)۔ طور اینڈرے نے بھی اپنی تصنیف سیرت رسول میں رسول اللہ ﷺ کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام کے فروغ میں صرف ایک شخص یعنی اس کے بانی کے دماغ نے اصل کردار ادا کیا اور رسول اللہ ﷺ کی مذہبی سرگرمی میں ان مسیحی روایات کے اثرات پڑے ہیں جو شام کے راستے ان تک پہنچی تھیں۔[۲۷]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زیر بحث دور میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس کے نظریات نے جو اثرات پیدا کئے اس کے پیش نظر ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت وفروغ اور پیغمبر اسلام کی کامیابیاں، دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم (Hubert Crimme) جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر دو کتابیں شائع کرائیں، اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ایک پیغمبر کے بجائے صرف ایک سیاسی، سماجی اور معاشی مصلح مانتا ہے۔ ۲۸

مستشرقین کے یہ سارے نظریات اور تصورات ڈاکٹر حمید اللہ کے پیش نظر تھے انہوں نے ضروری سمجھا کہ سیرت کی کتابوں اور مقالات میں یہ معاملات زیر بحث آجائیں۔ انہوں نے نام لے لے کر اور اعتراضات گنا گنا کر مستشرقین کو جواب دینے کے بجائے یہ ضروری سمجھا کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں سیرۃ کی ایسی کتابیں تصنیف کی جائیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کا بالکل درست اور حقیقی نقشہ پیش کردیا جائے۔ جرمن مستشرق اسپرنگر کے اس الزام کا کہ رسول اللہ ﷺ کو مرگی کی بیماری تھی، البتہ نام لے کر ڈاکٹر حمید اللہ نے وضاحت سے تردید کی۔ وہ کہتے ہیں:

> ''اسپرنگر نے وحی کے بارے میں اور وحی کی کیفیت سے متعلق ساری معلومات جمع نہیں کیں۔ بلکہ صرف چند چیزیں ہیں اور ان کی اساس پر کہا کہ یہ فلاں بیماری کی علامات ہیں۔ میرے خیال میں یہ صحیح علمی اور دیانتدارانہ طریقہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ میں نے وہ حدیثیں جمع کی ہیں۔ جن میں وحی کے نزول کے وقت کا مشاہدہ مختلف صحابیوں سے مروی ہے۔'' ۲۹

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی تحقیقات کا نچوڑ پیش کرتے ہیں اور دلائل سے اسپرنگر کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، آپ ﷺ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط و وثائق کی تلاش و ترتیب میں جو گرانقدر خدمات انجام دیں۔ یہ خدمات بذات خود مستشرقین کے الزامات کا شافی جواب ہیں تاہم خطوط نبوی ﷺ کی اصلیت پر جو اعتراضات ڈنلاپ، موسیور ےنو (Reinard J.J) ڈاکٹر بیکر (Beckers) پرنس کیتانی (Caetani, Leone) موسیو وائٹ، فشر (Fiesiche) اور نولدیکی (Noldeke) وغیرہ نے لگائے اس کے مسکت جواب، انہی کی زبان میں فراہم کئے اور ان الزامات واعتراضات کو مسترد کیا۔ مستشرق ڈنلاپ، اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ایک خط بنام نجاشی دمشق کے ایک شخص سے حاصل کیا جو اسے ۱۹۳۸ء میں حبشہ کے ایک پادری نے فروخت کیا تھا۔ ڈنلاپ نے اس خط کے متعلق جو مقالہ تحریر کیا اس میں اس خط کے جعلی ہونے کی رائے دی، اسکا یہ خط لندن کے رسالے Journal of Reserach for Eastern Studies میں شائع ہوا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس خط کی نقل منگوائی اور اپنی تحقیق جس مقالے میں پیش کی وہ مقالہ بھی اسی رسالے میں شائع کرایا۔ ان کی مشہور کتاب رسول اللہ کی سیاسی زندگی میں بھی یہ مقالہ شامل ہے۔ ۳۰

اسی طرح مقوقس (شاہ مصر) کے نام مکتوب نبوی کی اصل پر موسیو بےلین (Belin)، ڈاکٹر بیکرز اور پرنس کیتانی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نے اعتراضات کیے آخر الذکر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''Annali Dell Islam'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسلامی تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو عیسائی لونڈیاں بھیجیں، مقوقس اسکندریہ کا بطریق تھا اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کا کوئی بطریق، عرب کے کسی ''بے دین'' کو دو عیسائی لونڈیاں تحفے میں دے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اس کا بڑا دلچسپ جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ کہ اس وقت اسکندریہ کے بطریق کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا جتنا اسے مکتوب نبوی میں لکھا ہوا ملا جو اس کے سامنے مسلمان سفیر نے بیان کیا، دوسری بات یہ کہ مقوقس مانوفزائٹ (Monophysite) فرقے کا عیسائی تھا۔ اور یہ خیال کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں دو نہیں صرف ایک طبیعت تھی۔ لہٰذا وحدانیت کی تعلیم دینے والے عربی نبی کو اگر مقوقس ایک نئے فرقے کا ہی بانی خیال کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ رہا ماریہ اور سیرین کا معاملہ تو اس کا منشا سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ نبی عربی کو فرقہ ''طبعیت واحدہ'' کا راسخ العقیدہ عیسائی بنا لینے میں ان لونڈیوں سے کام لے، ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''عیسائی عورتوں کا غیر عیسائیوں میں سیاسی اغراض اور تبلیغ عیسائیت کے لئے بھیجا جانا نہ صرف ایک عام روزمرہ کا واقعہ ہے بلکہ نہایت قدیم بھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران یہ ایک مقدس اور ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔ پوپوں نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ یورپ کی خوبصورت عورتیں، مسلمان مجاہدوں کو اپنے پر فریفتہ کرنے کی کوشش کریں۔ یوں عیسائیت کی خدمت کریں۔ ۳۱''

نیز شاہ مقوقس کو لکھے جانے والے مکتوب نبوی کی نقل اور مستشرقین کے اعتراضات کی تفصیل، **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ** میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر کی ہے۔ ۳۲ اسی طرح مکتوب نبوی بنام منذر بن ساوی پر فنشر یہ اعتراضات کرتے ہیں۔

- ☆ المنذر بن ساوی کے نام آنحضرت ﷺ کے خط بھیجنے کا ذکر تو ملتا ہے لیکن خط کی عبارت کہیں نہیں ملتی۔
- ☆ پیش نظر فوٹو میں مرسل اور مرسل الیہ کا نام تو صاف ملتا ہے لیکن اس سے آگے جعلساز نے عربی نما شکلیں بنا دی ہیں۔
- ☆ ان بے معنی شکلوں میں کہیں کہیں عربی الفاظ تو پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں املا کی ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی عرب کاتب کی جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔

ڈاکٹر حمیداللہ ان اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ، پہلا اعتراض محض لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ منذر کے نام صرف ایک نہیں بلکہ نصف درجن سے زائد خط لکھے گئے تھے۔ کیونکہ منذر مسلمان ہو چکے تھے اور ایک اہم صوبے کی گورنری کے اختیارات ان کے سپرد کئے گئے تھے۔ اس گورنر کو لکھے گئے خط میں صرف ایک جگہ خفیف سا فرق ہے جبکہ مضمون میں کوئی فرق نہیں یہ کاتب کے ذہن کا سہو ہو سکتا ہے۔

دوسرے اعتراض کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا موقف ہے کہ چونکہ فنشر خود یہ خط نہ پڑھ سکا لہٰذا اس نے اس خط کو ہی ناقابل فہم قرار دے دیا۔

تیسرا اعتراض ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بے معنی ہے، واقعی اگر چودہ سو سال پہلے لکھے ہوئے خط میں کہیں سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سیاہی اڑگئی ہے یا اس کے دھبے پھیل گئے ہیں یا ٹریس لینے والے سے شکلیں بگڑ گئی ہیں تو عہد نبوی کے کاتب کا کیا قصور؟ ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ مکتوب بنام مقوقس اور مکتوب بنام منذر بن ساوی دونوں کی مہر، باوجود نقل کرنے والوں کے فرق کے یکساں ہے جو کافی اہم شہادت ہے۔ ۳۳

قانون بین ممالک ڈاکٹر صاحب کا مخصوص میدان تھا اور مستشرقین کا بھی۔ اسلامی قانون کو مسخ کرنا، ان کے لئے اتنا ہی اہم تھا جتنا اسلام اور پیغمبر اسلام کو۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ جدید بین الاقوامی قانون کی داغ بیل سترھویں صدی کے ایک مفکر گروشش (۹۹۱ھ تا ۱۰۵۵ھ/۱۵۸۳ء تا ۱۶۴۵ء) نے ڈالی وہ گروشش کو اس کا بانی قرار دے کر اسلام کے قانون سیر کی نفی کرتے ہیں۔ ۳۴ بعض مغربی علماء کا دعویٰ ہے کہ بین الاقوامی قانون سب سے پہلے یونانیوں نے متعارف کرایا۔ کچھ یورپی مصنفین اس قانون کو رومیوں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ اس میں انگریز مورخ اوپن ہائم سرفہرست ہے جس نے انٹرنیشنل لاء پر ایک ضخیم کتاب تحریر کی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اوپن ہائم، کے حوالے سے بڑا دلچسپ جواب دیا، انہوں نے کہا۔ ''رومیوں کا دعویٰ تھا کہ یہ کرہ ارض رومیوں کا ہے یعنی پوری کی پوری دنیا ہی رومیوں کی ملکیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی اپنے گھر کے اندر قانون بین الممالک استعمال نہیں کرتا۔'' ۳۵

بعض مستشرقین کے خیال میں اسلام میں غیر جانبداری کا تصور نہیں۔ وہ دنیا کو دارالسلام اور دارالحرب کے دو متحارب بلاکوں میں تقسیم کرتا ہے ان کے درمیان وہ کسی تیسرے بلاک کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ نظریہ ایک مستشرق مجید قدوری نے اپنی کتاب Islamic Law for War and Peace میں دیا جو ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ ایک اور مشہور مستشرق برنارڈ لیوس نے بھی Political Language of Islam میں جو شکاگو یونیورسٹی سے ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی، اس خیال کا اظہار کیا اور اسلام کو ایک استعماری نظام کے طور پر پیش کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ان مستشرقین کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ بون یونیورسٹی میں پیش کئے جانے والے ڈاکٹر صاحب کی مقالے کا عنوان ہی ''اسلام کے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کے اصول'' تھا۔ جس کے بعد مستشرقین کے مذکورہ بالا نظریات بے بنیاد ٹھرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں گو کہ اسلام کا پیغام عالمی و آفاقی ہے۔ جس کا تقاضا پوری دنیا میں اللہ کے دین کا غلبہ اور اس کے نظام کا قیام ہے۔ تاہم اس کا مطلب غیر مسلم ریاستوں کے حق بقا کی نفی نہیں ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایسی تمام اقوام کے ساتھ پرامن تعلقات کی ہدایت کرتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے احتراز کریں اور صلح اور امن کے ساتھ رہنا چاہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کے نظریہ سیر میں ریاستوں کے پرامن بقائے باہمی کا وہ اصول تسلیم کیا گیا ہے جو آج کے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ نے اس تصور کو اہل علم اور اہل یورپ کے سامنے پورے استدلال سے پیش کیا ہے جس نے جدید نظریہ سیر پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔

اک اور مسئلہ جو بعض مستشرقین کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے باقی قوانین کے برعکس اسلامی قانون کا دائرہ اختصاص اور اس کی علاقائی حدود عمل متعین نہیں ہیں۔ یہ ایک شخصی قانون ہے جو دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے۔ ۳۶ ڈاکٹر حمید اللہ نے بہت مدلل انداز میں اس اشکال کا جواب دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اسلامی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قانون جہاں ایک شخصی قانون ہے وہیں یہ ایک متعین علاقائی دائرہ اختصاص بھی رکھتا ہے۔ایک اسلامی ریاست اپنی فوجداری و تعزیری قوانین صرف انہی لوگوں پر نافذ کرسکتی ہے جو اس کے اپنے حدود عمل میں رہتے ہیں۔۳۷ ریاست کے حدود عمل کا متعین حدود ارض تک ہونے کا جو تصور ڈاکٹر حمید اللہ نے پیش کیا ہے وہ درحقیقت معاصر سیاسی فکر یعنی علاقائی اقتدار اعلیٰ Territorial Sovereignty کی ایک بازگشت ہے۔اس سے اسلامی ریاست ان الجھنوں اور اشکالات سے بچ جاتی ہے جو اسلامی ریاست کے ماوراالحدود قرار دینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ عصر جدید میں مسلمانوں میں قانون بین الممالک کے پہلے ایسے ماہر ہیں جنہوں نے مختلف زبانوں سے واقفیت کے سبب، مختلف قدیم، جدید قوموں اور ملکوں کے بین الممالک اصول وتصورات اور قوانین کا مطالعہ کیا اور کتابیں و مقالات قلم بند کیے۔ وہ یورپ کے قدیم و جدید قوانین بین الممالک سے اسلام کے قوانین بین الممالک کا بعض مقامات پر موازنہ و مقابلہ کر کے واضح کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ وہ قانون بین الممالک کی تشریح میں یورپ اور امریکہ کے ساتھ تاریخ اسلام اور فقہ اسلامی سے بھی استدلال کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مغربی اہل قلم عموماً اسلامی تاریخ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ چونکہ مستشرقین کے طریقہ سے خوب واقف تھے اس لئے وہ دلائل و براہین کے ساتھ ابتدائی ماخذ کے حوالے دے کر یورپ کے پیمانہ تحقیق ہی کے مطابق ان کو جوابات دیتے ہیں۔

الغرض ڈاکٹر حمید اللہ نے علم السیر ، تاریخ تدوین حدیث ، اسلامی تاریخ اور سیرت نگاری کے حوالے سے اہم تحقیقی کام کیے انہوں نے مستشرقین میں رہ کر ان کی علمی غلطیوں کی اصلاح کی ،اس حوالے سے انہوں نے کوئی جارحانہ رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ پوری دلسوزی اور اخلاص سے اسلامی موقف بیان کیا ،انہوں نے صرف مستشرقین کی تصانیف و علمی تحقیقات کے ناقدانہ جائزے، حقائق و واقعات کی روشنی میں ان کے علمی احتساب ، ان کی سیاہ کاریوں اور غلطیوں کی نشاندہی ہی نہ کی بلکہ اسلام کا مکمل اور معقول تعارف بھی کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے علیحدہ سے مستشرقین پر کوئی مقالہ یا کتاب تصنیف نہیں کی ہے لیکن آپ نے جس طرح مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات انہی کی زبان میں اور انہی کے مجلات میں دیئے، اس کے اثرات نہایت گہرے اور دوررس نکلے ۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ مستشرقین کے رد کے لئے اب تک جتنا بھی کام ہوا گو خوب ہوا، لیکن عام انگریز، فرانسیسی، جرمنی ، اطالوی اور دیگر غیر مسلم کی پہنچ اور فہم سے دور تھا۔ لیکن اب ڈاکٹر صاحب کی زبان دانی کے فوائد عام قاری کو حاصل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مسیحیت کے تنقیدی جائزہ کو بہت اہمیت دی ان کے نزدیک کسی پر تنقید کرنے کے لئے لازمی ہے کہ پہلے اس پر پورا علم حاصل کر لیا جائے ، سطحی اور ناکافی معلومات پر مبنی اعتراضات کو غیر موزوں گردانتے تھے۔ پروفیسر ظفر علی قریشی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں

''میری دانست میں زیادہ مفید یہ ہو کہ ہم لوگ مسیحیت کا گہرا مطالعہ کر کے عیسائیوں کو مخاطب کریں، ان کو یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ وہ جن چیزوں کو بے غور و فکر مانتے چلے جارہے ہیں، ان پر غور کریں مثال کے طور پر ان کی ''سورۃ فاتحہ'' اور ان کے ''امنت باللہ ۔۔۔'' میں بیان ہوا ہے کہ حضرت مسیح تین دن تک جہنم میں رہے یا یہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہ "اے اللہ ہم کو معاف کر جس طرح ہم دوسروں کو معاف کرتے ہیں۔" گویا دعا کیا ہے اللہ پر احسان جتایا جا رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یہ لٹریچر یورپ اور امریکہ میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے، مگر اولاً صحیح معلومات حاصل کرنا ہو گی، ہمارے اعتراضات واقعی بچکانہ انداز کے ہوتے رہے ہیں اس لئے پڑھنے والے عیسائی ان پر صرف ہنس دیتے ہیں۔" ۳۸

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ ایم۔اے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جامعہ عثمانیہ میں تحقیقی سند کے لئے درخواست دی تھی جس پر انہیں باہر جانے کی اجازت اور وظیفہ دونوں مل گیا، پہلے وہ بلادِ اسلامیہ کے سفر پر گئے، لبنان، شام، فلسطین، ترکی اور فلسطین، جہاں کے کتب خانوں سے تقریباً ایک سال تک استفادہ کیا، یہیں ان کی ملاقات مشہور مستشرق ڈاکٹر کرنکو سے ہوئی جس نے آپ کی ذہانت سے متاثر ہو کر جرمنی آنے کی دعوت دی اور جرمنی کی بون یونیورسٹی میں داخلے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ بون یونیورسٹی سے انہوں نے صرف نو ماہ (۱۹۳۳) میں ڈی۔فل کی ڈگری حاصل کی۔ وظیفہ ابھی تک مل رہا تھا لہٰذا فرانس چلے گئے اور یہاں سے ۱۹۳۵ میں ڈی۔لٹ کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ یہ بھی ڈاکٹر صاحب کا کمال تھا کہ ایک ڈگری کے لئے جو وظیفہ ملا تھا اس میں دو ڈگریاں حاصل کر لیں۔

۲۔ افتخار احمد، پروفیسر، **عالمی تحریک اسلامی کا ایک گمنام محسن**، مشمولہ **ڈاکٹر محمد حمید اللہ**، مرتبہ راشد شیخ، ص ۲۷۹۔

۳۔ خورشید احمد، ڈاکٹر، مقالہ **ڈاکٹر محمد حمید اللہ**، ص ۳۰، مشمولہ سہ ماہی **فکر و نظر**، ج ۴۰-۴۱، شمارہ ۴،۱

۴۔ شرف الدین اصلاحی، **مستشرق، استشراق اور اسلام**، مقالہ در **معارف**، دار المصنفین، اعظم گڑھ، جلد ۱۱، ص ۴۸-۵۰۔

۵۔ Han's wahr, *Dictionary of Modern written Arabic*, New York, 1973.

۶۔ ڈاکٹر نثار احمد، **مستشرقین اور مطالعہ سیرت**، مقالہ در **نقوش**، رسول نمبر (ادارہ فروغ اردو، لاہور ۱۹۸۵ء) ص ۶-۴۹۵۔

۷۔ جان دمشقی (۷۰۰ تا ۷۵۴) جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل، راہب اور پادری تھا۔ اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دشمنی اور نفرت کا آغاز کیا اور تحریری مناظرات کا منفی دور شروع کیا۔ جان نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں طرح طرح کے مضحکہ خیز افسانے اور خرافات گڑھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بے دین اور کاذب نبی قرار دے کہ اسلام کو فاسد دین قرار دیا۔ اس نے الزام لگایا کہ آپ نے ایک پادری کی معیت میں بائبل کو مسخ کر کے اسلام نام کا ایک نیا مذہب شروع کیا، اور یہ کہ اسلام میں آپ ﷺ کی پوجا کی جاتی ہے۔ (بحوالہ: سید حبیب الحق ندوی، **اسلام اور مستشرقین**، مقالہ در ماہنامہ **معارف** (اعظم گڑھ) شمارہ مئی ۱۹۸۳ء، ص ۳۳۲،۳۳۳۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ڈاکٹر نثار احمد، **مستشرقین اور مطالعہ سیرت**، مقالہ در نقوش (رسول نمبر) ص ۵۰۲۔

۱۰۔ گیام پوسٹل فرانسیسی مستشرق تھا، اس کا زمانہ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۸۱ء ہے۔ وہ اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ اس کا اصل کام ابجدیات پر ہے۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوسٹل کا شمار یورپی نشاۃ الثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ پوسٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیاء سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے (دیکھئے ایڈورڈ سعید، *Orientalism*، پینگوئن بکس، انگلینڈ، ۲۰۰۳ء، ص ۵۱۔)

۱۱۔ ڈاکٹر نثار احمد، ص ۵۰۹ ۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ اس صدی کے مستشرقین کے حالات اور کام کے لئے دیکھئے سید سلیمان ندوی کا طویل مقالہ بعنوان **مستشرقین یورپ** مشمولہ الندوہ، لکھنؤ، مئی ۱۹۱۴ء۔ ۱۴۔ پروفیسر خورشید احمد، ص ۳۰۔

۱۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ صرف ایک مورخ یا قانون دان ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے تراجم قرآن پاک پر بھی معرکۃ آراء کام کیا ہے۔

۱۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، **خطبات بھاولپور**، ص ۵۸۔

۱۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا یہ مقدمہ فرانسیسی زبان میں ہے۔ مقدمہ کے مندرجات ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے مقالہ **ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی قرآنی خدمات**، مطبوعہ مجلّہ **معارف اسلامی**، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، جلد ۲۔۳، شمارہ ۱۔۲، ۲۰۰۴ء، ص ۶ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۸۔ ابوسفیان اصلاحی، ص ۷

۱۹۔ Dr.Hamidullah, *Mohammad Rasulullah*, page no 26

۲۰۔ رضوان علی ندوی، **ڈاکٹر محمد حمید اللہ**، مشمولہ مجلّہ **عثمانیہ**، اپریل تا جون ۱۹۹۷، ص ۵۵۔

۲۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، مقدمہ، **صحیفہ ھمام بن منبہ**، حواشی نمبر ۳، ص ۴۵

۲۲۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ کے بھائی مولانا حبیب اللہ صاحب نے کیا اور ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کی نظر ثانی کی۔

۲۳۔ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ رندھاوا، **ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمت حدیث**، مشمولہ **معارف اسلامی**، جلد ۳۔۲ (جولائی ۲۰۰۳ء تا جون ۲۰۰۴ء)

۲۴۔ پی۔ ایچ۔ لامنس (۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۷ء) بیسویں صدی کا مشہور مستشرق، بلجیم میں پیدا ہوا، فرانس کو اپنا وطن بنایا اور راہب بن گیا۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں جن میں **تاریخ سیرت**، **اخلاص محمد**، جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔ ایک اور کتاب **فاطمہ و بنات محمد**، جو روم سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی اور **مھد اسلام** ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔ (نجیب العقیقی، **المستشرقون**، دارالمعارف مصر، ۱۹۶۵ء، ج ۳، ص ۱۰۶۸)

۲۵۔ محمد مہر حمادے، *Mohammad the Prophet: A selected bibliography*، پی ایچ ڈی تھیسس، مشی گن یونیورسٹی، ۱۹۶۵، (غیر مطبوعہ مائیکرو فلم کاپی، کراچی یونیورسٹی) ص ۶۹، ۷۰۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۶۔ اسپرنگر، *Life of Mohammad*، الٰہ آباد، انڈیا، ۱۸۵۱ء۔

۲۷۔ ڈاکٹر نثار احمد، ص ۵۲۰۔ ۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ خطبات بہاولپور، ص ۱۳۵۔

۳۰۔ ڈنلاپ کے اعتراضات اور ڈاکٹر صاحب کے جوابات کی تفصیلات کے لئے دیکھئے، مقالہ اصل مکتوب نبوی بنام نجاشی کی دستیابی، مشمولہ رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۲ تا ۱۵۱۔

۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۱۔

۳۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ، مجموعہ الوثائق السیاسیہ، قاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۴۹ تا 53۔

۳۳۔ رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ۱۴۹۔

۳۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ *The Muslim Conduct of State*، ص ۷۰۔

۳۵۔ خطبات بہاولپور، ص ۱۱۸۔

۳۶۔ مجید قدروی، *Islamic Low of Nation*، بالٹی مور، ۱۹۴۴ء، ص ۷۔

۳۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ، *The Islamic review*، جولائی تا اگست، ۱۹۶۶ء (مجید قدروی کی درج بالا کتاب پر ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ)

۳۸۔ یہ خط ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنے مقالے مرد آفاقی مشمولہ، اورینٹل کالج میگزین، ج ۷۸، شمارہ ۳۔۴ (۲۰۰۳ء، ص ۸۱ میں نقل کیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com